بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کا شرعی موقف

سید جلال الدین عمری

کل ہند مجلس تعمیرِ ملت کی جانب سے ۱۶-۱۸ جون ۲۰۰۰ء کو 'غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے مسائل' کے موضوع پر حیدرآباد میں ایک سمینار منعقد ہوا تھا۔ راقم نے اس میں ایک مختصر سی تحریر پڑھی تھی۔ اب اسی کو تفصیل سے مرتب کرکے یہاں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (جلال الدین)

اس وقت دنیا کے نقشے پر دو سو سے زیادہ آزاد ملک ہیں۔ ان میں ساٹھ (۶۰) کے قریب مسلم ممالک ہیں۔ مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد غیر مسلم اکثریت والے ممالک میں رہتی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی اور ان کے اقتدار اور عدمِ اقتدار کی ایک تاریخ ہے۔ ان پہلوؤں سے موجودہ ممالک کی تقسیم اس طرح ہوسکتی ہے:

۱۔ وہ ممالک جہاں مسلمان بہت بڑی اکثریت میں ہیں اور ان کی حکومت ہے۔ ان میں انڈونیشیا، پاکستان، بنگلہ دیش، ترکی، ایران اور مصر جیسے بڑی آبادی والے ممالک بھی ہیں اور بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات میں شریک مملکتیں اور مالدیپ جیسی چھوٹی ریاستیں بھی ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے آخر میں روس کے قبضہ سے، آذربائیجان، ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان، قزاقستان نے آزادی حاصل کی۔ یہ پانچوں مسلم مملکتیں اپنے محلِ وقوع، وسیع رقبہ، قدرتی وسائل اور مسلم آبادی کے لحاظ سے خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔

۲۔ وہ ممالک جہاں مسلمانوں کا اقتدار تھا، اب ختم ہوگیا ہے اور وہ ایک چھوٹی سی اقلیت بن کر رہ گئے ہیں ۔ جیسے اسپین ۔ اسپین میں اموی خاندان کے ایک فرد عبدالرحمان الداخل نے ۱۳۸ھ میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی اور وہ صدیوں تک اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا مرکز بنا رہا پھر آہستہ آہستہ خانہ جنگی کا شکار ہوگیا، بالآخر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی اور تیس (۳۰) لاکھ مسلمان وہاں سے نکال دئے گئے ۔ غالبًا اب دو تین فیصد مسلمان وہاں رہ گئے ہیں ۔

۳۔ وہ ممالک جن کے ساتھ مسلمانوں کی قدیم تاریخ وابستہ نہیں ہے بلکہ ایک صدی یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ سے اُن ممالک کو مسلمانوں نے اپنا وطن بنایا ہے، جیسے امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ ۔ ان ممالک میں مسلمان حصولِ تعلیم کی خاطر یا ملازمت اور روزگار کی تلاش میں پہنچے، لیکن وہاں کی آسانیوں اور سہولتوں کے پیشِ نظر وہاں کی شہریت اختیار کرلی اور وہیں رہ بس گئے ۔ خود ان ممالک کے باشندوں کا رجحان بھی اسلام کی طرف ہو رہا ہے اور اب اسے وہ قبول بھی کر رہے ہیں اس طرح یہ سب مل کر ایک قابلِ لحاظ اقلیت بنتے جا رہے ہیں ۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ساٹھ لاکھ سے اسّی لاکھ تک بتائی جاتی ہے ۔ اس وقت وہ یہودیوں کے بعد دوسری بڑی اقلیت ہیں ۔ مغربی یورپ میں فرانس میں مسلمانوں کی آبادی سب سے زیادہ خیال کی جاتی ہے اس کا اندازہ تیس لاکھ سے پچاس لاکھ تک کیا جاتا ہے ۔ جرمنی میں مسلمانوں کی آبادی تیئس لاکھ ساٹھ ہزار ہے ۔ انگلینڈ میں مسلمان بیس لاکھ سے زیادہ ہیں اور اسلام وہاں کا سب سے بڑا مذہب ہے ۔ آسٹریلیا جیسے دور دراز خطے میں چار لاکھ کے قریب مسلمان ہیں ۔

۴۔ وہ ممالک جہاں مسلمان اکثریت میں تو نہیں تھے لیکن صاحبِ اقتدار تھے، اب نہیں ہیں، البتہ بہت بڑی اقلیت کی حیثیت سے موجود ہیں اس کی نمایاں مثال ہندوستان ہے ۔ جہاں مسلم آبادی کا اندازہ پندرہ کروڑ تک ہے ۔ اس پر تفصیل سے گفتگو ان شاء اللہ آخر میں ہوگی ۔

ان مختلف النوع ممالک کے حالات ایک جیسے نہیں ہیں، اس لیے ان کے احکام ومسائل بھی الگ الگ ہی ہوں گے ۔ جن ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ صاحبِ اقتدار ہیں اُن کا فرض ہے کہ اُن کا امام یا خلیفہ ہو ۔ ان میں پوری

طرح اسلامی شریعت نافذ ہو۔ ریاست کی طرف سے دینی تعلیم وتربیت کا انتظام ہو، ملک میں عدل وانصاف قائم ہو، شہریوں کی معاشی کفالت کا نظم ہو، حدود وتعزیرات نافذ ہوں اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نظام قائم ہو۔ ریاست کے سربراہ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کی حفاظت کرے اوراسے مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کرے، دنیا کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے اوراسے سربلند کرنے کی جدوجہداورتدبیر کرے۔ ان تمام امور میں ریاست کے عوام کا فرض ہے کہ اسے اپنا تعاون فراہم کریں۔

جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے حالات بھی یکساں نہیں ہیں۔ بعض ممالک میں انھیں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ شخصی اورخاندانی زندگی میں بھی اسلام پرعمل کرنا ان کے لیے دشوار ہے۔ اس کے برخلاف بعض دوسرے ممالک میں مذہبی آزادی ہے۔ وہ اسلام کا اظہار واعلان کرسکتے ہیں اوراس کی بنیادی تعلیمات پرعمل کا حق رکھتے ہیں۔ ان دونوں طرح کے ممالک کی نوعیت اور احکام مختلف ہیں۔

جن ممالک میں ڈکٹیٹر شپ اورآمریت ہے، جمہوری فضا نہیں ہے اور انسانی حقوق کا احترام اورفکروعمل اورمذہب کی وہ آزادی نہیں ہے جوجمہوری ملکوں میں ہے، وہاں مسلمان اقلیتیں سخت بندشوں اورمشکلات کی شکار ہیں۔ جیسے کمیونسٹ ممالک، بوسنیا، کوسوو اوراسرائیل۔ نیپال اوربرما بھی کسی حدتک اسی فہرست میں آتے ہیں۔ ان ممالک میں مسلمان کھل کر اپنے دین پرعمل نہیں کرپارہے ہیں، دعوت وتبلیغ کے حق سے محروم ہیں، اپنے ملی تشخص اوراپنی انفرادیت کو باقی رکھنا ان کے لیے دشوار ہے، شعائرِ اسلام کے اظہار پر ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں، اپنی جان، مال اورعزت وناموس کی حفاظت کے لیے انھیں سخت جدوجہد کرنی پڑرہی ہے۔ اُن کے لیے اس سے نجات پانے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اس سرزمین کو چھوڑ دیں اوردارالاسلام ہجرت کرجائیں۔ یہ ٹھیک وہ عمل ہوگا جو اسلام کے ابتدائی دور میں اختیار کیا گیا۔ مکے کے مسلمان اسی طرح کی صورت حال سے دوچار تھے۔ مدینے میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد انھیں حکم دیا گیا کہ وہ مدینہ ہجرت کرجائیں۔ ہجرت

ان کے لیے فرض قرار دی گئی۔ جن لوگوں نے طاقت کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا انھیں سخت وعید سنائی گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

(النساء: ۹۷)

بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے فرشتے جب ان کی جان نکالتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے ملک میں بے بس اور کم زور تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرکے چلے جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کسی کے پہونچنے کی بری جگہ ہے۔

آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دارالکفر یعنی مکے میں اسلام لائے اور وہیں رہ گئے، دارالاسلام یعنی مدینہ ہجرت نہیں کی۔ دارالکفر میں قیام کی وجہ سے وہ دین پر عمل نہیں کر پا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت اور دین کے غلبے کی جدوجہد میں شرکت سے محروم تھے۔ وہ خود کو "مستضعفین" قرار دیتے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اس لیے کہ وہ ہجرت کرنے کے موقف میں تھے۔ ان کے لیے ہجرت کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ تھی جس پر وہ قابو نہ پا سکتے ہوں۔ وہ محض اپنی مرضی اور دنیوی مصالح کے تحت مکہ چھوڑنا نہیں چاہ رہے تھے۔

اس آیت کے فوراً بعد حقیقی 'مستضعفین' کا ذکر ہے جو جسمانی طور پر کمزور یا معذور تھے یا مالی لحاظ سے سفر کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہ تھے، یا انھیں جبراً ہجرت سے روک دیا گیا تھا۔ ان کے بارے میں فرمایا:۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولَٰئِكَ

سوائے ان مجبور اور بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور کوئی راستہ نہیں پاتے امید ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو معاف فرمائے گا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ (النساء: ۹۸-۹۹) — اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب حالات ٹھیک ہو جائیں اور ہجرت کی صورت نکل آئے تو ان "مستضعفین" پر بھی ہجرت واجب ہو جائے گی۔

ہجرت کی راہ میں ایک رکاوٹ معاش کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہا گیا کہ اس کے لیے بہت زیادہ فکر مند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ اللہ کی خاطر اپنا وطن اور گھر بار چھوڑیں گے اللہ تعالیٰ ان کے لیے معاش کی صورتیں بھی پیدا فرما دے گا۔ وہ اس وسیع و عریض دنیا میں اللہ کے فضل و رحمت کے کرشمے دیکھیں گے اور اگر اس راہ میں جان چلی جائے تو اللہ انھیں ہجرت کے اجر و ثواب سے نوازے گا۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ ۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء: ۱۰۰)

جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے وہ زمین میں (دشمنوں کے علی الرغم) رہنے کی بڑی جگہ اور ہر طرح کی وسعت اور کشادگی پائے گا۔ جو شخص اللہ کی طرف ہجرت کر کے نکلے اور پھر (راستہ ہی میں) موت اسے آن پکڑے تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ہاں ثابت ہو گیا۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

ایک طرف تو دار الکفر کے مسلمانوں کو دار الاسلام ہجرت کا حکم دیا گیا اور دوسری طرف اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی کہ وہ ان مظلوموں کی مدد کرے۔ انھیں ان علاقوں سے نکالے جہاں ان پر ظلم ہو رہا ہے اور جہاں وہ آزادی سے اسلام کے مطابق عمل نہیں کر پا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے ہیں کہ ان کے لیے اس ظلم سے نجات کی سبیل پیدا فرما دے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ — تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے راستہ میں اور ان مجبور اور بے بس مردوں،

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء: ۷۵)	عورتوں اور بچوں کو بچانے کے لیے جنگ نہیں کرتے ہو جو دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے باشندے ہم پر ظلم توڑ رہے ہیں اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی حمائتی مقرر کر دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار کھڑا کر دے۔

ان سب کوششوں کے بعد بھی جو مسلمان دار الکفر یا دار الحرب میں رہ جائیں ان کے اور دار الہجرت یا دار الاسلام کے مسلمانوں کے درمیان اسلامی اخوت تو ہوگی "ولایت" کا تعلق نہ ہوگا۔ (الانفال: ۷۲-۷۵) ولایت کا مطلب نصرت وحمایت ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دار الاسلام ان کی حفاظت اور نگرانی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ان کے درمیان وراثت کا تعلق بھی قائم نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی کہی گئی۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (الانفال: ۷۲)	ہاں اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد طلب کریں تو تمہارے لیے لازم ہے کہ ان کی مدد کرو۔ البتہ کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں ان کی مدد نہیں کرو گے جس کے اور تمہارے درمیان معاہدۂ امن ہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے[1]

یہ ہیں ہجرت کے احکام اور ان کا پس منظر۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا۔

لا هجرة بعد الفتح[2]	فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ان آیات سے متعلق کتب تفسیر

[2] بخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر وما یجب من الجہاد والنیۃ۔ مسلم کتاب الامارۃ باب المبایعۃ بعد فتح مکہ علی الاسلام والجہاد الخ

فتح مکہ کے بعد ہجرت کا وجوب ختم ہونے کے مختلف وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ اب مکہ دارالکفر نہ رہا بلکہ دارالاسلام کا حصہ بن گیا۔ اب وہاں سے ہجرت کا کوئی سوال ہی نہیں تھا[1]

اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت دارالاسلام مدینے کو افرادی طاقت کی سخت ضرورت تھی، جو اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ باہر کے مسلمان وہاں پہنچیں، اس کی طاقت میں اضافہ ہو اور دین کی سربلندی کی جو جد وجہد ہو رہی ہے اس میں وہ حصہ لیں[2]

اس کی تیسری وجہ یہ تھی کہ مکہ کے مسلمان اہل کفر کے درمیان گھرے ہوئے تھے اور ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ انھیں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کے مواقع حاصل نہیں تھے۔ ان کی یہ دینی ضرورت تھی کہ وہ مدینہ پہنچ جائیں جو مرکز اسلام تھا اور وہاں رہ کر دین کو اچھی طرح سمجھیں اور آزادی سے اس پر عمل کریں اور ان مصائب وشدائد سے بھی محفوظ رہیں جن میں وہ دارالکفر میں گرفتار تھے۔

فتح مکہ کے بعد صورتِ حال بدل گئی، اس لیے ہجرت باقی نہیں رہی۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کا وجوب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا یا جب بھی اور جہاں کہیں بھی اس طرح کے حالات پیش آئیں گے ہجرت لازم ہوگی؟

فقہ حنفی کی رو سے اب دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت کرنا واجب نہیں ہے[3]

---

[1] نووی، شرح مسلم: ۸/۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۵ء

[2] ابن حجر، فتح الباری: ۱۲۲/۶، المکتبۃ التجاریۃ بیروت ۱۹۹۶ء

[3] سرخسی، المبسوط: ۱۰/۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۳ء، فقہ حنفی کا یہی مسلک سمجھا گیا ہے کہ اب دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت فرض نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص حنفی، سورۂ نساء کی آیت (۹۷) کے ذیل میں کہتے ہیں ھٰذا یدلّ علی فرض الهجرة فی ذٰلك الوقت، لولا ذٰلك لما ذمّهم علی ترکها. احکام القرآن: ۳۱۳/۲ (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہجرت اس وقت فرض تھی، اگر فرض نہ ہوتی تو اس کے ترک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذمت نہ ہوتی) اسی سلسلۂ کلام میں آگے لکھتے ہیں۔ وھٰذا یدلّ علی النهی عن المقام بین أظهر المشرکین لقوله تعالیٰ "أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا" وھٰذا یدل علی الخروج من ارض الشرك الی ایّ ارض کانت من ارض الاسلام ص ۳۱۴۔ (یہ حصہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مشرکین کے درمیان مسلمان کا قیام منع ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے =

دیگر مذاہب فقہ کے علماء نے اس سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ ان کے نزدیک دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت کوئی وقتی حکم نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ابدی حکم ہے۔ اس کی ایک دلیل خود قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔ ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس حکم کا کسی خاص دور سے تعلق ہے۔ اس کے بعد یہ باقی نہیں رہے گا۔

حافظ ابن کثیر سورۂ نساء کی آیت ۹۷ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"ہجرت کے حکم کا تعلق مکہ سے مدینہ ہجرت ہی سے نہیں ہے۔ اس کے الفاظ عام ہیں۔ اس کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جو مشرکین کے درمیان قیام کی وجہ سے اقامتِ دین پر قادر نہیں ہے۔ وہ ہجرت کرنے کے موقف میں ہونے کے باوجود اگر ہجرت نہ کرے تو اپنے اوپر ظلم کرے گا اور حرام کا مرتکب ہوگا۔ اس پر اجماع ہے۔ آیت صراحتاً اس پر دلالت کرتی ہے" [۱]

اس کی دوسری دلیل حدیث ہے۔ حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے:۔

لا تنقطع الھجرۃ حتّٰی تنقطع	ہجرت کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا جب تک
التوبۃ ولا تنقطع التوبۃ حتّٰی	کہ توبہ کا سلسلہ منقطع نہ ہوجائے اور توبہ کا
تطلع الشمس من مغربھا [۲]	دروازہ بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج
	اپنے مغرب سے نہ طلوع ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کا حکم ابدی ہے۔ اس کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر 'لا ھجرۃ بعد الفتح' کا مفہوم کیا ہے؟

= صاف فرمایا ہے کہ "کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس کی طرف ہجرت کرجاتے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے اقتدار سے نکل کر کسی بھی اسلامی مملکت میں منتقل ہوجانا ضروری ہے) جصاص نے جس عمومی انداز میں گفتگو کی ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت کو وہ شاید ہر دور میں ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر اسے فقہ حنفی کی ایک رائے کہا جاسکے تو یہ جمہور علماء کی رائے سے ہم آہنگ ہے۔ واللہ اعلم۔

[۱] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱/۵۴۲۔ دار المعرفۃ بیروت، لبنان ۱۹۶۹ء

[۲] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الہجرۃ ہل انقطعت ؟ مسند احمد: ۵/۶۶ طبع بیروت ۱۹۹۴ء

علامہ نووی، علماء کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت کرنا قیامت تک باقی ہے۔ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد خود بھی دارالاسلام ہو گیا ہے (اب وہاں سے ہجرت نہ ہوگی اس لیے کہ) ہجرت دارالحرب سے ہوتی ہے۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہجرت کی جو خاص فضیلت تھی وہ اب نہیں رہی[1]

ابن عربی مالکی کہتے ہیں: "دارالحرب سے دارالاسلام جو ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فرض ہوئی وہ قیامت تک باقی ہے اور فرض ہے۔ البتہ فتح مکہ کے بعد وہ ہجرت ختم ہو گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کے قصد سے کی جاتی تھی۔ اب جو شخص دارالحرب میں اسلام لائے اس کے لیے دارالاسلام ہجرت کرنا واجب ہے۔ دارالحرب میں وہ قیام پذیر رہے گا تو معصیت کا ارتکاب کرے گا"[2]

ابن قدامہ حنبلی نے پہلے تو ہجرت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

الخروج من دار الکفر الی دار الاسلام	ہجرت، دار الکفر سے دارالاسلام کی طرف نکل پڑنے کا نام ہے۔

اس کے بعد قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت کا حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ یہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ عام اہلِ علم کی یہی رائے ہے۔ بعض لوگوں نے "لا ھجرۃ بعد الفتح" کی بنیاد پر کہا ہے کہ اب ہجرت ختم ہو گئی۔ لیکن ہماری دلیل آیات کا اطلاق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم کسی دور کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس پر دلالت کرنے والی حدیثیں بھی ہیں۔ اس کی ہر زمانہ میں ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔ 'لا ھجرۃ بعد الفتح' کا مفہوم یہ ہے کہ جو شہر فتح ہو کر اسلامی مملکت کا حصہ بن جائے وہاں سے ہجرت نہ ہوگی۔ حضرت صفوانؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہجرت ختم ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ مکہ سے ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ ہجرت کفار کی مملکت کو

---

[1] نووی، شرح مسلم: کتاب الحج، ج ۹ ص ۱۰۴-۱۰۵

[2] ابن عربی، احکام القرآن: ۱/۴۸۴ طبع جدید دارالمعرفۃ، لبنان

چھوڑ دینے کا نام ہے۔ جب اس کا کوئی شہر فتح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہو تو وہ کفار کی مملکت نہیں رہا۔ اس سے ہجرت نہ ہوگی بلکہ اس کی طرف ہجرت ہوگی۔[۱]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک ہجرت، عہدِ رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ایسے حالات کہیں بھی اور کسی بھی زمانہ میں پیش آسکتے ہیں جس میں دین پر قائم رہنا اور اس پر عمل کرنا ممکن نہ رہے۔ جب کبھی کوئی مسلمان ان حالات سے دوچار ہو اور کوئی ایسی مملکت موجود ہو جہاں وہ ہجرت کر سکتا ہو تو اسے ہجرت کر جانی چاہیے۔

اس پوری تفصیل کو سامنے رکھ کر یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا آج کے دور میں جو مسلمان کسی دارالکفر میں پھنسے ہوئے ہیں اور دینی و مذہبی آزادی سے محروم ہیں ان پر وہاں سے ہجرت لازم قرار پائے گی یا نہیں؟ موجودہ حالات میں بہ ظاہر ان کے لیے ہجرت کو لازم قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ہجرت اس وقت لازم قرار دی گئی تھی جبکہ مدینے کی اسلامی ریاست نے دارالکفر کے مسلمانوں کے لیے اپنے دروازے کھول دئیے تھے چنانچہ مکے میں بعض وہ مسلمان جو خود کو مستضعفین قرار دے رہے تھے اور ہجرت نہیں کر رہے تھے۔ قرآنِ مجید نے ان کے اس عذر کو تسلیم نہیں کیا اور کہا۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً — کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم

فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ط (النساء: ۹۷) — وہاں ہجرت کر جاتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عملاً ایسا ملک موجود تھا جہاں وہ ہجرت کر سکتے تھے اور جس کا دامن اُن کے استقبال کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ اس کے باوجود انھوں نے ہجرت اختیار نہیں کی۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ روئے زمین پر صحیح معنی میں کوئی دارالاسلام نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں بہت سے مسلم ممالک ہیں، لیکن کسی مسلم ملک میں یہ طاقت نہیں ہے کہ جو مسلمان ظلم و زیادتی کی چکی میں پس رہے ہیں اور دین پر عمل کی آزادی سے محروم ہیں، انھیں اس سے نجات دلا سکے۔ کوئی دوسرا ملک بھی اس کے لیے فکرمند نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ موجودہ بین الاقوامی قوانین کے تحت کسی کا اپنا ملک چھوڑنا اور

---

[۱] ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/ ۱۴۹-۱۵۱

دوسرے ملک کا شہری بننا خاصا پیچیدہ عمل بن گیا ہے۔ اگر کوئی فرد اس کی راہ نکال بھی لے تو پوری قوم کا ترکِ وطن کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ یہ بھی کھلی آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ ظلم کے مارے ہوئے کسی گروہ نے اپنے ملک سے پڑوسی ملک میں پناہ لی ہے تو ان کی منتقلی یا ترکِ وطن کو غیر قانونی سمجھا جاتا ہے۔ جس ملک میں اس نے پناہ لی ہے، اس نے اسے قانونی طور پر اپنا شہری تسلیم نہیں کیا ہے۔

ان حالات میں مظلوم مسلمانوں پر ہجرت لازم نہیں قرار دی جا سکتی۔ ان سے یہی کہا جائے گا کہ وہ صبر اور عزم و ہمت سے کام لیں اور استقامت کا ثبوت دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔ ان کے لیے نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکی زندگی ہے۔

ویسے دورِ حاضر کا یہ ایک خوش آئند پہلو ہے کہ دنیا میں انسانی حقوق کا احساس بڑھ رہا ہے۔ ان کی حفاظت کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں۔ ظلم و جبر کے خلاف کبھی کبھی آواز بلند ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کمیونسٹ ممالک میں بھی مذہبی آزادی کا تصوّر ابھر رہا ہے۔ یہ صورتِ حال کسی اچھی اور خوش گوار تبدیلی کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ جن ممالک میں مسلمان مذہبی آزادی سے محروم ہیں، انھیں یہ آزادی مل جائے اور وہ کھل کر اسلام پر عمل کرنے لگیں۔

جمہوری ملکوں میں مسلمان اقلیتوں کے حالات اس سے مختلف ہیں۔ امریکہ میں اور یورپ کے ممالک برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں آزادیٔ فکر و عمل کو انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ مسلمان اپنے مسلمان ہونے کا برملا اعلان کر سکتے ہیں۔ اس پر عمل کا حق انھیں حاصل ہے۔ ان ممالک میں اسلامی عبادات علانیہ انجام پاتی ہیں۔ جگہ جگہ مساجد موجود ہیں اور نئی مساجد تعمیر ہو رہی ہیں۔ ان میں اذان اور نماز کا نظم ہے، جو دین کا بہت بڑا شعار رہے۔ یہ مساجد دعوتِ اسلام کے مراکز بھی ہیں۔ مسلمانوں کو احکامِ شریعت کے مطابق اپنی نجی اور خاندانی زندگی گزارنے کا حق ہے، دعوت و تبلیغ اور اسلامی خدمات انجام دینے والے ادارے اور تنظیمیں موجود ہیں، مسلمان دینی تعلیم کا نظم کر سکتے ہیں، اسلام پر ریسرچ اور تحقیق کا عمل جاری ہے، بعض اونچے درجے کے مخلص اسکالرس اس میں لگے ہوئے ہیں، قرآن مجید اور دینی لٹریچر کی اشاعت ہو رہی

ہے۔ کوئی شخص اسلام کو اللہ کا دین باور کرتا ہے تو اسے اس کے قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں اسلام آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے اور سیکڑوں افراد اس کے دائرے میں آتے جارہے ہیں۔ ان ممالک کے مسلمانوں کے لیے اپنا ملک چھوڑنا اور ہجرت کرجانا موجودہ حالات میں صحیح نہیں ہے۔ یہ دعوتی نقطۂ نظر سے ایک غلط قدم ہوگا۔

علامہ ابن عربی مالکی نے ہجرت کی چھ صورتیں بیان کی ہیں۔ ١۔ دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت۔ ٢۔ آدمی جہاں رہتا ہے وہاں بدعات چھا جائیں اور وہ انھیں بدل نہ سکتا ہو تو اسے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہوجانا۔ ٣۔ آدمی کا اپنے اس علاقہ کو ترک کردینا جہاں ذرائعِ معاش پر حرام کا غلبہ ہو۔ ۴۔ ایسی جگہ چھوڑ دینا جہاں انسان کو اپنی جان کا خطرہ ہو اور اسے سخت جسمانی اذیتیں اٹھانی پڑ رہی ہوں۔ ۵۔ ایسی جگہ کو چھوڑ کر جہاں صحت وتندرستی نہ رہتی ہو کسی پُر فضا اور صحت مند مقام پر چلا جانا۔ ٦۔ ایسے علاقہ کو چھوڑ دینا جہاں انسان کا مال محفوظ نہ ہو۔[1]

ہجرت کی ان شکلوں میں پہلی شکل کے علاوہ باقی شکلیں وہ ہیں جن کا اطلاق اسلامی ملک میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی پر بھی ہوتا ہے۔ یہ اس وقت زیرِ بحث نہیں ہے۔ جہاں تک دارالحرب یا دارالکفر سے دارالاسلام ہجرت کا تعلق ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ یہ کب واجب ہوتی ہے اور کب واجب نہیں ہوتی اور کب استحباب کا حکم رکھتی ہے؟

فرماتے ہیں کہ ہجرت اس وقت واجب ہوجاتی ہے جبکہ آدمی ہجرت کرنے کے موقف میں ہو اور ہجرت کرسکتا ہو۔ جہاں وہ رہ رہا ہے وہاں دین کا اظہار و اعلان نہ کرپائے یا یہ کہا جائے کہ واجباتِ دین کا قیام اس کے لیے ممکن نہ ہو، اس صورت میں کفار کے درمیان رہنے کی اسے اجازت نہ ہوگی۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ﷲ (اس کا حوالہ مضمون کے آغاز میں موجود ہے)

فرماتے ہیں کہ واجباتِ دین کا قیام واجب ہے اور جب ہجرت اس کے لیے واجب

---

[1] ابن عربی مالکی، احکام القرآن: ١/٢٨۴-٢٨٦۔ ابن عربی نے اس کے ساتھ دینی اور دنیوی مقاصد کے لیے اسفار کی نوعیت بھی بیان کی ہے

ہو جائے تو وہ بھی واجب ہو جائے گی ۔ فقہ کا اصول ہے : "ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب" (جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو وہ بھی واجب ہے)

ہجرت ان لوگوں پر واجب نہیں ہے جو کسی مرض یا جسمانی کمزوری کی وجہ سے ہجرت کے موقف میں نہ ہوں ۔ جیسے مریض یا خواتین اور بچے وغیرہ ۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی ہجرت واجب نہیں ہے جو دار الکفر میں قیام پر مجبور ہوں اور وہاں سے نکل نہ سکتے ہوں ۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے ۔ "وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ" (حوالہ گزر چکا ہے)

اس طرح کے افراد کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ہجرت ان کے لیے مستحب ہے، اس لیے کہ ہجرت کا حکم ان کے لیے نہیں ہے ۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مزید فرماتے ہیں کہ ہجرت ان لوگوں کے لیے واجب نہیں ہے جنھیں ہجرت کی قدرت ہو اور وہ ہجرت کر سکتے ہوں لیکن دار الکفر میں انھیں اپنے دین کے اظہار اور اس کی اقامت کی اجازت ہو، البتہ ہجرت ان کے لیے مستحب ہے تاکہ وہ اسلامی ریاست میں رہ کر جہاد میں حصہ لے سکیں اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کی افرادی طاقت میں اضافہ ہو، وہ ان کی مدد کر سکیں، غیر مسلموں کے اختلاط سے بچے رہیں اور انھیں منکرات کو دیکھنا نہ پڑے ۔ ہجرت ان کے لیے واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دار الکفر میں رہتے ہوئے دین پر قائم رہ سکتے ہیں اور واجبات دین پر عمل کر سکتے ہیں ۔ اس سلسلے میں انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت نعیم النحام کا حوالہ دیا ہے کہ یہ حضرات اسلام لانے کے بعد بھی مکے میں مقیم رہے اور بعد میں ہجرت کی۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا شمار قریش کے سرداروں میں ہوتا تھا، دور جاہلیت میں مسجد حرام کی آباد کاری اور حاجیوں کو پانی پلانے کے ذمہ دار تھے ۔ جنگ بدر میں مشرکین کے لشکر کے ساتھ آئے اور گرفتار ہو گئے ۔ فدیہ دے کر رہائی پائی ۔ جنگ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر کسی کا عباس سے سامنا ہو جائے تو انھیں قتل نہ کرے اس لیے کہ وہ مجبور کر کے لائے گئے ہیں ۔

---

[1] ابن قدامہ، المغنی ۱۳/۱۵۲، طبع ہجر القاہرہ ۱۹۹۲ء حافظ ابن حجر نے اختصار کے ساتھ یہ بحث نقل کی ہے ۔ فتح الباری : ۶/ ۲۰۸

روایت ہے کہ جنگ بدر کے بعد وہ اسلام لے آئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ جنگ خیبر سے پہلے اسلام لائے۔ ایک اور روایت ہے کہ وہ ہجرت سے قبل ہی اسلام لا چکے تھے مگر اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مکہ سے مشرکین کے حالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ آپ کے فتوحات کی خبر ملتی تو خوش ہوتے تھے۔ بڑی بات یہ کہ ان کی وجہ سے مکہ کے مستضعفین کو تقویت حاصل تھی، روایات میں یہ بھی موجود ہے کہ وہ مدینہ ہجرت کرنا چاہ رہے تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ مکہ میں ان کا قیام بہتر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ چچا جان آپ جہاں ہیں وہیں رہئے اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہجرت کا سلسلہ ختم فرمائے گا۔ جس طرح اس نے نبوت کا سلسلہ میرے ذریعہ ختم کیا۔ حضرت عباسؓ مکہ ہی میں مقیم رہے اور فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کی۔[1]

نعیم بن عبداللہ النحام قدیم الاسلام ہیں۔ مکہ میں دس نفوس کے بعد ہی اسلام لے آئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ اسلام لانے والے انتالیسویں شخص تھے۔ ایک اور روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے قبل اسلام لے آئے تھے لیکن اپنے اسلام کو خفیہ رکھا۔ وہ اپنے قبیلے بنو عدی کے یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کرتے اور ان کے اخراجات برداشت کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کی قوم میں ان کا بڑا احترام تھا۔ انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو بنو عدی نے کہا آپ ہجرت نہ کریں مکہ ہی میں رہیں اور اپنے دین پر عمل کریں۔ کوئی آپ کو تکلیف پہنچانا چاہے گا تو ہم آپ کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ چنانچہ وہ مکہ ہی میں مقیم رہے۔ ۶ھ میں ہجرت کی۔ ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے جنگ خیبر کے سال ۷ھ میں ہجرت کی تھی۔ ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے کچھ پہلے تک وہ مکہ ہی میں رہے۔ جب مدینہ ہجرت کی تو ان کی قوم کے چالیس افراد ان کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ ۳۵۸/۲ - ۳۵۹۔ دارالکتب العلمیہ لبنان ۱۹۹۵ء۔ ابن اثیر، اسد الغابہ ۱۶۳/۳ - ۱۶۴۔ دارالکتب العلمیہ، لبنان۔ ابن حجر، الاصابہ ۵۱۱/۲۔ دارالکتب العلمیہ لبنان ۱۹۹۵ء

نے ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔[1]

ان واقعات سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ دارالاسلام موجود ہو اور ہجرت فرض ہو جائے تو بھی اگر کسی مسلمان کا دارالکفر یا دارالحرب میں قیام، اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو اس پر ہجرت فرض نہ ہوگی۔ اسی طرح کسی شخص کے لیے دارالحرب میں دین پر عمل اور دعوت و تبلیغ کے مواقع موجود ہوں تو بھی ہجرت اس کے لیے ضروری نہ ہوگی۔ ظاہر ہے جہاں دارالاسلام موجود ہی نہ ہو تو اس کے وجوب کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

جمہوری ممالک میں مسلمانوں کے لیے صحیح راہِ عمل یہی ہے کہ جو آزادی انھیں میسّر ہے اور جو سہولتیں اور مواقع حاصل ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں، انھیں محض اپنی غفلت اور کوتاہی سے ضائع نہ کریں بلکہ مزید سہولتیں حاصل کرنے کی سعی کریں۔ اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزاریں۔ اپنے عمل سے اسلام کی برتری کا ثبوت فراہم کریں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو واحد راہِ نجات کی حیثیت سے پیش کریں اور اس کی حقّانیت واضح کریں۔ اس سے انشاء اللہ قبولِ حق کے امکانات پیدا ہوں گے اور اللہ کے دین کو فروغ حاصل ہوگا۔

اس موقع پر ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے اور کہی جاتی ہے کہ اسلام کسی نظام کے تحت محکومی کی زندگی کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی عطا کردہ سہولتوں اور مواقع کو ایک مومن اپنے لیے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھے اور اس کا شکر گزار رہے۔ وہ غلبہ اور سربلندی چاہتا ہے اور اس کے لیے جہاد کا حکم دیتا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ اسلام غلبہ اور سربلندی چاہتا ہے۔ لیکن جس غیر اسلامی ملک میں دعوت و تبلیغ کے مواقع حاصل ہوں اور وہاں کارِ دعوت جاری ہو اور اس راہ میں ناقابلِ برداشت رکاوٹ بھی نہ ہو تو وہاں سے ہجرت ہوگی اور نہ اس ملک میں جہاد ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو انقلاب عظیم رونما ہوا اس کا آغاز مکہ میں شخصی اور اجتماعی دعوت سے ہوا۔ آپ نے فرداً فرداً بھی اللہ کا پیغام پہونچایا اور مکہ کی گلیوں اور

---

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/۶۹-۷۰۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۵/۳۲۶-۳۲۷۔ ابن حجر، الاصابہ: ۶/۳۶۱-۳۶۲

کوچوں سے بھی آپ کی صدائے حق بلند ہوتی رہی۔ جب تک اہلِ مکہ نے دعوت کی راہیں بند نہیں کر دیں اور مکہ سے آپ کے اخراج یا قتل کا فیصلہ نہیں کر لیا آپ نے نہ تو مدینہ ہجرت کی اور نہ مکہ میں رہتے ہوئے ان سے جنگ کی۔ مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد جنگ کے احکام اور اس سلسلہ کی ہدایات نازل ہوئیں۔

قرآنِ مجید نے مکہ میں بھی 'جہاد' کا حکم دیا تھا لیکن یہ 'جہاد بالسیف' نہیں بلکہ 'جہاد بالحجۃ' تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ حکم تلوار کے ذریعہ جہاد کا نہیں تھا بلکہ دلائل کے ذریعہ جہاد کا حکم تھا۔ ارشاد ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان: ۵۱)

پس تم کافروں کی بات نہ مانو اور اس قرآن کے ذریعہ ان سے جہاد کرو بڑا جہاد۔

اس میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ تمہیں توحید اور خدا پرستی کی راہ سے پھیر کر شرک اور بت پرستی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، تم ان کی بات نہ مانو اور قرآن کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کفر و شرک کے ماحول میں راہِ حق پر ثابت قدم رہے گا اور قرآن اور اس کی تعلیمات کے ذریعہ 'جہادِ کبیر' جاری رکھے گا۔ یہ دلیل و برہان کے ذریعہ دین کی دعوت و تبلیغ کا حکم ہے۔ کفر و شرک کے ماحول میں ایک مشکل اور صبر آزما کام ہے اس لیے اسے 'جہاد کبیر' کہا گیا ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

"مکی دور کا جہاد علم اور بیان کے ذریعہ تھا اور مدنی جہاد، مکی طریقۂ جہاد کے ساتھ طاقت اور ہتھیار کے استعمال سے بھی تھا۔ سورۂ فرقان مکی سورت ہے۔ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلیل و برہان سے جہاد کیا تھا۔ اس کے ساتھ آپ کو باطل سے کنارہ کش رہنے کا حکم تھا۔"[۱]

علامہ قرطبی سورہ فرقان کی اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں:

"ابن عباس کا قول ہے کہ یہاں قرآن کے ذریعہ جہاد کا حکم ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے ذریعہ جہاد کا حکم ہے۔ ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ اس میں

---

[۱] فتاویٰ ابن تیمیہ: کتاب الفقہ: ۳۸/۲۸

جہاد بالسیف کا ذکر ہے لیکن یہ دور کی بات ہے۔ اس لیے کہ سورت مکی ہے۔ یہ قتال کے حکم سے پہلے نازل ہوئی تھی"۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ جن ممالک میں دعوت کے مواقع ہیں اور عملاً دعوت کا کام جاری ہے ان ممالک کے مسلمانوں کے لیے صحیح راہِ عمل یہی ہے کہ وہ صبر و ثبات اور حکمت و دانائی کے ساتھ دعوت کو جاری رکھیں۔ ان ممالک میں رہتے ہوئے ان کے خلاف جہاد کا کوئی جواز نہیں ہے۔

(موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت سے متعلق بحث انشاءاللہ آئندہ آئے گی)

---

[۱] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳۹/۱۳ دارالکتب العلمیہ لبنان ۱۹۸۸ء۔ یہی بات امام رازی نے کہی ہے۔ التفسیر الکبیر: ۸۷/۲۴ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک اہم پیش کش

مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب

اسلام اور مشکلاتِ حیات

- اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟
- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟
- امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟
- مرض اور مشکلاتِ حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟
- مرض کی شدت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جا سکتی؟

یہ کتاب قرآن و حدیث کی روشنی میں ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے، مؤثر انداز بیان، دل نشیں بحث اور علمی اسلوب، آفسٹ کی حسین طباعت، خوب صورت سرورق۔ ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ: مینجر مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱